غضنفر کی ناول نگاری میں عصری سماجی و معاشی مسائل: ایک جائزہ

The current Socio Economic issues in the Novels of Ghazanfar: A case Study

ڈاکٹر قمر النسا گلبرگہ دکن انڈیا

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی ایسوسی ایٹ پروفیسر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

Abstract

Ghazanfar is one of the most important writers in the field of contemporary urdu literature. He is multidimensional writer but in this article I have focused only on his novel nigari. He has written nine novels on different topics. He contributed many new things in urdu novel. He introduced dalit.discours in urdu fiction. The language of ghazanfar fiction is also different from his contemporary writers and many expierments in novel ,his language is very creative a perfect combination of prose and poetry and also symbolic but his symbols are not difficult and embigus. He has also experimented in form and technic in urdu novel.

Key words:

fiction , tajribati rujhan ,nasar aur nazam ka imtezaj,nasri ijaz o iktesar,fan karana siyasi shaour ,usloob ki ranga rangi, madawaye dard ki talash and aabiyaza etc.

غضنفر ایک ہمہ جہت فن کار ہیں۔ وہ تقریباً ادب کی تمام اصناف پر قادر ہیں۔ اور انھیں اس حد تک قدرت حاصل ہے کہ جب وہ افسانہ لکھتے ہیں تو صرف افسانہ نگار لگتے ہیں۔ ناول تحریر کرتے ہیں تو ناول نویس بن جاتے ہیں۔ شاعری کرتے ہیں تو بس شاعر محسوس ہوتے ہیں۔ شاعری میں بھی جب مثنوی قلم بند کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ وہ صرف مثنوی کے شاعر ہیں۔ اسی طرح اپنے خاکوں میں خالص خاکہ نگار اور اپنی تنقیدی و تدریسی نگارشات میں نقاد اور ماہرِ درسیات نظر آتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غضنفر ہر طرح کے اظہار پر قادر ہیں اور انھوں نے تقریباً تمام اصنافِ ادب میں عمدہ اور قابلِ قدر نمونے پیش کیے ہیں۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ غضنفر نے صفحۂ قرطاس پر جو قلمی کہکشاں سجائی ہے اس میں افسانے کی جگمگاہٹ، ناول کی جھلملاہٹ، غزل کی نرماہٹ، نظم کی کھنکھناہٹ مثنوی کی مسکراہٹ، خاکے کی سرسراہٹ، انشائیے کی چلبلاہٹ، ڈرامے کی گڑگڑاہٹ سبھی کچھ ہے مگر ان کی اصل پہچان جس صنف ادب سے بنی وہ ناول ہے۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے مختلف رنگ و آہنگ کے نو ناول: پانی، کینچلی، کہانی انکل، دویہ بانی، فسوں، وش منتھن، مم، شوراب اور مانجھی لکھے اور ان کی تجرباتی نوعیت اور جدت و ندرت کی بدولت شہرت کی بلندیوں پر چڑھتے چلے گئے۔

غضنفر کے ناولوں پر بات کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سچ کو دوہرا دیا جائے کہ پچھلے چالیس سالوں میں جو صنفِ ادب اردو میں زیادہ پھولی پھلی وہ ناول ہے۔

اس عرصے میں تقریباً دو ڈھائی سو ناول لکھے گئے۔اتنے ناول تو اردو ادب کی پوری تاریخ میں بھی نہیں لکھے گئے اور یہ تعداد اس تعداد سے بڑی ہے جو اردو فکشن کی تاریخ میں لکھے گئے ناولوں کی مجموعی تعداد ہے۔اس طویل مدت کے دوران جن فکشن نگاروں نے فکشن کے فن پر زیادہ توجہ کی اور ناول کے تئیں گہری دلچسپی اور سنجیدگی کا ثبوت دیا اور زیادہ تعداد میں ناول لکھے ان میں, مشرف عالم ذوقی، عبد الصمد، غضنفر، شموئل احمد، حسین الحق اور پیغام آفاقی کے نام سرِ فہرست ہیں۔تعداد، دلجمعی، سنجیدہ روی اور زود نویسی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان میں تین ہی نام زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔عبداصمد، ذوقی اور غضنفر۔عبد الصمد اور ذوقی کے ناولوں کا کینوس اگرچہ بڑا ہے اور ان کی ضخامت بڑھی ہوئی ہے مگر ان کے موضوعات کا دائرہ محدود ہے۔عبدلصمد کے تمام ناولوں کا مرکز ملکی سیاست ہے اور ذوقی کے ناولوں کا موضوع مسلمانوں کے تشخص کا مسئلہ ہے۔تقریباً انھیں دو موضوعات کے ارد گرد ان کے تمام ناولوں کے تانے بانے بنے گئے ہیں۔ایک آدھ ناول مستثنیٰ ضرور ہیں مگر زیادہ تر کے محور اور مرکز یہی ہیں۔ان کے برعکس غضنفر کے ناول اگرچہ ضخامت کے اعتبار سے مختصر ہیں، مگر ان کے موضوعات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔

ان کے یہاں تنوع بہت ہے۔یہ تنوع موضوعات کے علاوہ ان کے اسلوب اور تکنیک میں بھی نظر آتا ہے۔ان کے اسلوب میں جیسی بوقلمونی و رنگا رنگی ہے شاید ہی ان کے کسی ہم عصر فکشن نگار کے یہاں ہو۔

غضنفر کی افسانوی تخلیقات کے مطالعے کے دوران بعض خصوصیات ایسی بھی نظر آتی ہیں جو انھیں منفرد بناتی ہیں اور اپنے معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں۔مثلاً درج ذیل امتیازات غضنفر کے افسانوی تخلیقات میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں:

تجرباتی رجحانات

نثر اور نظم کا امتزاج

نثری ایجاز و اختصار

فن کارانہ سیاسی شعور

اسلوب کی رنگارنگی

مداوائے درد کی تلاش

تجرباتی رجحانات:

بڑے تخلیق کار کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ بنے بنائے راستوں پر نہیں چلتا بلکہ اپنی راہ خود بناتا ہے۔وہ اپنی اختراعی قوتوں سے اپنے اظہار کے نئے سانچے ڈھالتا ہے۔پرانے سانچوں میں تبدیلی کر کے انھیں نئی شکل و صورت دیتا ہے۔اس کی یہی جدت طرازی اس کے فن پاروں کو قابلِ توجہ بناتی ہے اور دوسروں سے اسے مختلف بناتی ہے۔وہ صرف اظہاری صورت کو ہی نیا پن نہیں بناتا بلکہ ایسے مواد و موضوع کی بھی تلاش کرتا ہے جو نیا ہو، جو گھسا پٹا اور فرسودہ نہ ہو۔وہ موضوع و مواد کی پیش کش میں نئے نئے تجربے کرتا ہے۔غضنفر اس وصف سے بھی متصف نظر آتے ہیں۔ان کا جدت پسند اور اختراعی ذہن نئی نئی باتیں سوچتا ہے۔اظہار کے نئے نئے وسیلے تلاش کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تخلیق میں کچھ نہ کچھ نیا نظر آتا ہے۔کوئی نہ کوئی نیا پن ضرور محسوس ہوتا ہے۔

یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہو گا کہ اسی سے ان کی پہچان بنی ہے۔ جیسے ہی غضنفر کا نام سامنے آتا ہے لوگوں کی زبان پر اچانک یہ سوال آ جاتا ہے، وہ غضنفر تو نہیں جنھوں نے ناول نگاری میں تجربے کیے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اپنے زیادہ تر ناولوں میں تجربے کیے ہیں۔ غضنفر خود ایک انٹرویو میں جسے راقمہ نے لیا تھا، اپنے تجرباتی رویے کے متعلق فرماتے ہیں۔

ریشا قمر: آپ نے فکشن میں کئی تجربے بھی کیے ہیں۔ تجربوں کا تجربہ کیسا رہا ہے؟

غضنفر: توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی۔ زیادہ تر لوگوں نے تعریف کی، خوب سراہا اور اسے میرے کریڈٹ میں شامل کیا البتہ کچھ لوگ جو پرانے خیال کے ہیں اور زبان و بیان میں کسی طرح کی تبدیلی کو مناسب نہیں سمجھتے انھوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ خصوصاً اردو میں ہندی لفظوں پر انھیں اعتراض تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اردو میں ہندی کا کوئی لفظ شامل ہو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ بنا کسی جدت کے جس میں ہر طرح کا تجربہ بھی شامل ہے اچھا اور یجنل ادب پیدا ہو ہی نہیں سکتا اور ادب و فن کے میدان میں وہی قابل ذکر اور بڑی حد تک کامیاب رہے جنھوں نے جدت سے کام لیا اور لیک سے ہٹ کر ادب تخلیق کیا۔"

(1)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غضنفر نے اپنے زیادہ تر ناولوں میں تجربے کیے ہیں اسی لیے جدیدیت کے نمائندہ نقاد شمس الرحمن فاروقی نے غضنفر کے متعلق اپنے ایک ذاتی خط میں یہ فرمایا:

"تم نے بعض نئی اور موئثر چیزیں ناول میں داخل کی ہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

نامور نقاد و پروفیسر انیس اشفاق نے بھی غضنفر کی جدّت طرازی کا اعتراف کیا:

"ادھر چند برسوں میں اردو فکشن میں جن نئے ناموں کو وقار و اعتبار کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے ان میں غضنفر کا نام بہت نمایاں ہے۔ اپنے معاصرین میں تجربہ پسندی کا رجحان ان میں سب سے زیادہ ہے۔ 'پانی' سے لے کر اپنے نئے ناول کی تصنیف تک غضنفر نے اس تاثر کو ختم کر دیا کہ ناول روایتی حدود و قیود سے باہر قدم نہیں نکال سکتا۔ انھوں نے نظر کے سامنے موجودہ موضوعات کو اسالیب کے نئے جامے پہنا کر ان کی معنویت کو تر و تازہ رکھنے اور ان میں نئی روشنی پیدا کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہے۔ اپنے ہم عصروں میں ان کا قلم زیادہ متحرک ہے۔"

شمس الرحمن فاروقی اور انیس اشفاق جیسے قد آور ادبی شخصیات نے ان کی تجربہ پسندی کو سراہا ہے جس سے ان کے تجربات پر کامیابی کی مہر ثبت ہوتی ہے۔ ان کا تجرباتی عمل ہر ناول میں اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ مثلاً انھوں نے پانی اور دویہ بانی میں ٹائم فریم کو توڑ دیا ہے۔ روایتی ناول کے فریم میں یہ دونوں فٹ نہیں بیٹھتے۔ دویہ بانی کا تو موضوع بھی نیا ہے، دلت ڈسکورس پر اردو میں یہ پہلا ناول ہے۔ جس کا اعتراف اردو کے تقریباً سبھی ناقدین ادب نے کیا ہے۔

کینچلی میں ایک ایسے موضوع کو پیش کیا ہے جو لیڈی چٹر لر (Lady Chatter Ley's) میں بھی نہ پیش کیا جا سکا۔ کہانی انکل میں اپنی مختلف کہانیوں کو جوڑ کر سوتر دھار کی مدد سے انھوں نے ایک نئی طرح کی تخلیق خلق کر دی۔ بقول پیغام آفاقی

"کہانی انکل میں مرکزی کردار کہانی انکل تخلیقی مفکر (Creative Thinker) کی حیثیت سے ابھرتا ہے اور لوگوں کی فکر میں ایک نئے تاریخی ڈائمینشن کا اضافہ کرتا ہے۔"

کسی ناول میں ہندو اساطیر کی شمولیت سے نیا پن پیدا کیا تو کسی میں ہندی زبان کی آمیزش سے اردو فکشن میں ایک نیا رنگ ابھار دیا۔

نثر اور نظم کا خوبصورت امتزاج:

غضنفر کی تحریر کا ایک وصفِ خاص ان کی شاعرانہ نثر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ نثر میں بھی شاعری کرتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ غضنفر فکشن نگار ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی ہیں۔ شاید اسی لیے فکشن اور شاعری کے کمبنیشن (Combination) سے وہ ایک ایسا اسلوب اختیار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس میں نثر کی منطقی صراحت بھی ہوتی ہے اور نثر کی ایمائیت واشاریت بھی۔ ان دونوں کے امتزاج سے ان کی تحریر دو آتشہ بن جاتی ہے۔ یہ وصف ان کے ہم عصروں میں ان کے علاوہ کسی کے یہاں ابھی موجود نہیں۔ اس میدان میں وہ یکتا اور بے مثل ہیں۔ کچھ مثالیں دیکھیے:

"شہد آمیز سخن شیریں بے نظیر کی سماعت میں گھلنے لگا، سامنے ایک پری پیکر، گل اندام، غزال چشم، رشک چمن، معنبر مشک ختن، لباسِ مرصع سے مزین، دوشیزۂ دل نواز، ناز وانداز کے ساتھ کھڑی در افشانی میں مشغول تھی۔

نظر سے نظر ملی، پیروں میں حرکت ہوئی، پائل جھنک اٹھی، وہ پیکر جمل، مجسمۂ بے مثال، خراماں خراماں چلتی، پازیب کی نقرئی جھنکار سناتی، شاخ گل کی طرح لچکتی خوشبو بکھیرتی، فضا کو معطر کرتی اور ماحول کو مترنم بناتی ہوئی بے نظیر کے قریب آ گئی۔

(2)

"وہ وجود جس کا حسن تمام کائنات کی جاذبیت کا سبب ہے... جو لافانی ولامحدود اور بے مثال ولازوال ہے جو جمالِ مطلق اور کمالِ کل ہے... جو منبع باد و آتش اور آب و گل ہے جس سے روح کو تسکین اور نفس کو تلقین ملتی ہے... جو روح کائنات اور جوہر موجودات ہے جو دونوں جہاں کا خالق اور کون و مکاں کا مالک ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں کل کائنات... ارض وسماوات... سارے خلائق... حور وملک... جن وبشر... شمس وقمر... شجر وحجر... چرند وپرند تمام مخلوقات ہیں۔"

(3)

کچھ اور نمونے بھی ملاحظہ کیجیے:

"خواہش تو یہ بھی ہوتی ہے کہ آگ سے جو سرخ شعلے بلند ہوتے ہیں انھیں ہاتھ میں پکڑ لیا جائے۔ دریا میں لہریں لیتے ہوئے جو گرداب اٹھتے ہیں ان میں کود جایا جائے۔ سمندر میں جو مد و جزر اٹھتے ہیں ان کے ساتھ جھولا جھولا جائے۔ چمکیلی جلد اور پرکشش رنگوں والے سانپ کو گلے میں لپیٹ لیا جائے۔

سرخ شعلے ہاتھ جلا دیتے ہیں، گرداب دبوچ کر اپنے اندر رکھ لیتے ہیں، مد و جزر جھولا جھلا جھلا کر بے دم کر دیتے ہیں، پرکشش رنگوں والے سانپ ڈس لیتے ہیں، کیا یہ علم کا عروج ہے جس نے اس تہذیب کو جنم دیا ہے۔(4)

شعر ونثر کی آمیزش سے تیار کی گئی غضنفر کی یہ وہ تحریر ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یہاں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ غضنفر کو الفاظ کی جادوگری آتی ہے۔ وہ لفظوں سے ایسی سحر کاری کرتے ہیں کہ قاری اس سحر میں جکڑ جاتا ہے۔ ان کا جادو کبھی کبھی تو رنگ و آہنگ کی ایسی دنیاؤں کی سیر کراتا ہے کہ ذہن مبہوت ہو جاتا ہے۔ ایسی وادیوں میں لے جاتا ہے کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ غضنفر صوت وصدا کا ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ ہماری آنکھوں میں انسانی نہاں خانوں کے منظر بھی ابھر آتے ہیں۔

نثری ایجاز و اختصار:

ایجاز و اختصار ایک ایسا ادبی وصف ہے جو میں مقصد و منشا کو کم سے کم الفاظ میں بحسن و خوبی بیان کر دیتا ہے، جس سے کلام میں حسن پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ معنی کی ترسیل بھی آسان ہو جاتی ہے۔ یہ وصف عام طور پر شاعری میں پایا جاتا ہے اور شاعری سے ہی مختص بھی ہے۔ اس خوبی کا کمال یہ ہے کہ یہ دریا کو کوزے میں سمیٹ لیتی ہے، بڑی سے بڑی بات کو بھی دو مصرعوں میں بیان کر دیتی ہے۔ تقریباً ہر بڑے شاعر کے یہاں یہ حسن نظر آتا ہے، کسی کے یہاں کم تو کسی کے یہاں زیادہ۔ غالب کی شاعری میں یہ وصف بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ایجاز و اختصار کا کمال نثر میں بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے مگر غضنفر کے یہاں اس وصف کی مثالیں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ یہاں کچھ نمونے پیش کیے جا رہے ہیں:

"خشک خاموش لبوں پر فتح مندی کے زمزمے سج گئے۔ زرد اداس چہروں پر سرخ جھنڈیاں لہرانے لگیں۔ بے نور ویران آنکھوں میں قندیلیں جل اٹھیں، نشہ کامرانی میں جھومتے ہوئے سرشار قدم پانی کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ کچھ مضطرب ہونٹ قریب پہنچتے ہی پانی پر ٹوٹ پڑے۔ اچانک پانی سے لگے لبوں کو ایک جھٹکا لگا۔ جھکے ہوئے جسم چکر کھا کر لڑھک پڑے، اعضاء ساکت ہوگئے، ہونٹوں کا رنگ نیلا پڑ گیا، آنکھیں پتھر ہوگئیں۔"(5)

———

"کمیشن کی بیٹھک میں کہانیوں کو بار بار سنا گیا، ان پر باہر اندر دونوں جانب سے غور کیا گیا، انھیں مختلف سطحوں پر پرکھا گیا، لفظوں کو تخلیقی نظر سے پڑھا گیا، جملوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا گیا، عبارتوں کو تجزیاتی پیمانوں سے جانچا گیا، استعاروں کو ادھیرا گیا، علامتوں کی پرتوں کو کھرچا گیا، تلمیحوں کو پھیلایا گیا، تمثیلوں کو تمثالا گیا، تجربوں کو ابھارا گیا، بین السطور کو بھرا گیا، معانی کی تہوں میں اترا گیا، مفہوم کی سطحوں کو کھنگالا گیا، پلاٹ کو پلٹا گیا، کردار کو کریدا گیا۔"(6)

———

"چھوٹے بچوں کی آنکھیں بھی کھل گئیں، ان کے دیدوں میں انگارے بھر گئے، نگاہیں شرربار ہوگئیں، تیوریاں چڑھ گئیں، بھنویں تن گئیں، مٹھیاں بھنچ گئیں، خون کھول اٹھا، رگیں پھولنے لگیں۔"(7)

"غارِ حرا کا دہانہ کھلا، ایک اُمّی کا سینہ، علم و عرفان سے بھر گیا، سینے سے روشنی پھوٹی، جہالت کی دھند چھٹی، ظلمات منور ہوگئیں، صحرا سرسبز و شاداب ہوگئے، خارزاروں میں پھول کھل اٹھے، بادِ صرصر بادِ بہار بن گئی، بادِ سموم بادِ صبا میں تبدیل ہوگئی، ریگستان چمنستان کی طرح مہک اٹھا"(8)

"یہ وہی چڑیا تھی جس کے بارے میں وی ان رائے نے بہتوں سے سنا تھا کہ اس کے سنہرے پر ہر وقت ہوا میں لہراتے رہتے تھے۔ اس کے پورے جسم سے روشنی پھوٹا کرتی تھی۔ ایسی روشنی جس سے اندھیری میں بھی جگنو بھر جاتے تھے۔ ان کی منقار صبح و شام لعل اگلا کرتی تھی۔"

ان مثالوں کو پڑھ کر غضنفر کے ایجاز و اختصار کے ہنر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ احساس اور شدید ہو جاتا ہے کہ غضنفر واقعی دریا کو کوزے میں بند کرنا جانتے ہیں۔ یہ بھید بھی مل جاتا ہے کہ ان کے مختصر دکھائی دینے والے ناولوں کا کینوس اندر سے بڑا کیوں محسوس ہوتا ہے۔

فن کارانہ سیاسی شعور:

سیاست کے موضوع پر ویسے تو عبد الصمد، مشرف عالم ذوقی اور پیغام آفاقی سب نے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے مگر غضنفر کے یہاں سیاست خالص غزل کی چال چلتی ہے۔ اشاروں، کنایوں اور علامتوں میں بات کہتی ہے۔ وہ سیاست کی چال کی باریکیوں کو سمجھتے ہیں اور اپنی قوم کے درد کو شاید دوسروں کے مقابلے میں زیادہ محسوس کرتے ہیں مگر وہ اس طرح صبر وضبط سے کام لیتے ہیں جس طرح کسی عزیز، کی موت پر گھر کی عورتوں کے مقابلے میں مرد کام لیتے ہیں، وہ بھی اتنے ہی دکھی ہوتے ہیں مگر آنسو نہیں بہاتے، آہ وفغاں نہیں کرتے، چیخ وپکار نہیں مچاتے۔ ان کا دل روتا ہے اور آنسو نکل کر جسم وجان میں جذب ہوتا رہتا ہے۔ فن کاری یہ ہے کہ بغیر ڈھول پیٹے مدعا کو عوام کے دل ودماغ تک پہنچا دیا جائے۔ اگر کوئی فن کار ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ اس کی بڑی کامیابی ہے اور صحیح معنوں میں یہ بڑا فن ہے جو بڑی ریاضت سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے لیے کشف کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ وصف غضنفر کی کہانیوں میں بھی ہے اور ناولوں میں بھی۔ میں ان کے اس وصف کو فن کارانہ سیاسی شعور سے تعبیر کرتی ہوں۔ آپ چاہیں تو اسے تخلیقی سیاسی بصیرت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ مانجھی میں تین ندیوں اور تین تصویروں کی علامت سے انھوں نے پوری دنیا کی سیاسی تصویر ابھار دی ہے۔ بعض علامتوں سے ہندوستان کی سیاسی اتھل پتھل بھی ابھاری گئی ہے اور اس طرح ابھاری گئی ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ سیاست کی بات ہو رہی ہے، کہانی تو سنائی جاتی ہے پرندوں کی مگر اس کہانی میں بیرون ملک کے ہتھ کنڈے بھی پرواز بھرتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

وِش منتھن میں اسٹیج پر دکھائے جانے والے ڈرامے کے ذریعے در اصل غضنفر اس ملک میں کھیلے جانے والے اس ناٹک سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں جس میں ایک طاقت ور طبقہ کمزور طبقے کو زہر دے کر مار دینا چاہتا ہے اور یہ زہر مختلف ودھیوں کے ذریعے ان کے اندر انجیکٹ کرنے کا جتن کیا جاتا ہے۔ شوراب میں ایک کردار اردو زبان اس لیے سیکھتا ہے کہ وہ اس کی طاقت سے سیاسی فائدہ اٹھا سکے۔ یہاں غضنفر نے بہت ہی خوبصورت انداز میں سیاست دانوں کے اس رویے کا پردہ فاش کیا ہے کہ کس طرح اپنے مفاد کے لیے مکر شاعرانہ سے کام لیتے ہیں۔

سیاسی بصیرت سب کے حصے میں نہیں آتی۔ یہ صرف اخبار بینی یا سطحی مشاہدے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے مشاہدہ اور مطالعہ کے ساتھ ساتھ مراقبوں میں بھی بیٹھنا پڑتا ہے، کشف کے عالم سے گزرنا پڑتا ہے، چلّہ کھینچنا پڑتا ہے، جو فن کار کو اس عمل سے گزرتا ہے وہ اس بصیرت کو پالیتا ہے۔ غضنفر اس بصیرت کو پانے میں خاصے کامیاب نظر آتے ہیں۔ غضنفر کی سیاسی بصیرت کے نمونے ان کی تحریروں میں بھرے پڑے ہیں، بس یہاں کچھ مثالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

کسی جنگل میں بہت سارے جانور تھے۔ ان میں بھیڑیں بھی تھیں، بھیڑوں کے ریوڑ جنگل میں چاروں طرف جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ بھیڑوں کو جنگل کے کچھ جانور پسند نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف اپنے دل میں میل رکھتے تھے۔ ان سے نفرت کرتے تھے۔ ——

"ستّا کے پنجے کے ناخنوں کا گاڑھا رنگ ایسا جھمکا کہ مندر مٹھ اور منبر ومحراب بھی اس کی جانب جھک آئے۔ مٹھوں کے مہنت، آشرموں کے سوامی، مدرسوں کے ملّا اور درگاہوں کے پیر فقیر بھی اس کے حلقے میں آکر چلہ کھینچنے لگے، پاور کے کچھ اور ٹاور کھڑے ہو گئے۔

———

"سمندری مہانگروں کے ڈانڈے دریائی نگروں سے آملے ہیں۔ سمندر اپنا کھارا پانی تیزی سے ندیوں میں چھوڑ رہا ہے۔ ندی کے پانی کی لہروں پر لہرانے، بل کھانے اور اٹھلانے والی چھوٹی مچھلیاں کچھ سست پڑنے لگی ہیں اور کچھ مرنے لگی ہیں (9)

———

کمال ہے اسلم سیٹھ کے شوک کے بارے میں نہیں جانتے۔ بے کس دنیا میں رہتے ہو، اس سمندر میں اترتے ہو تو سمندر کی پوری کھبر تو رکھنی پڑے گی، یہ پتا رکھنا ہی ہو گا کہ اس میں کہاں گہرائی ہے، کہاں چھچھلا پن ہے؟ کس طرف مچھلیاں ہیں اور کہاں مگرمچھ ہیں؟ کون سی مچھلی کیسی ہے؟ کون سی موٹی

ہے اور کون سی چھوٹی؟ کون سی ہاتھ میں آجانے والی ہے، کون سی پھسل جانے والی ہے؟ کس مگرمچھ کا کتنا بڑا منہ ہے؟ کس کو کون سی مچھلی پسند ہے؟ (10)

''دھیرے دھیرے جہاز اوپر اٹھتا گیا۔ زمین نیچے چھوٹتی گئی۔ ایک ایک چیز چھوٹی ہوتی گئی۔ بلند و بالا عمارتیں ماچس کی ڈبیا بنتی گئیں۔ پیڑ پودوں میں اور پودے بوٹوں میں بدلنے لگے۔ تاڑ کے درخت ککرمتا لگنے لگے۔ سبزہ زاروں پر سرمئی غبار چڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جہاز کافی بلندی پر پہنچ گیا۔ کرۂ ارض ایک وسیع و عمیق اور تاریک خندق میں تبدیل ہوگیا۔ ایک ایک کر کے سارا کچھ اس خندق میں سماتا چلا گیا۔ پھر خندق بھی بند ہوگئی۔ جیسے کسی نے خندق کے دہانے پر کوئی چٹان رکھ دیا ہو۔ اب نہ کہیں زمین تھی اور نہ آسمان۔ دیر تک وہ کرۂ ارض کے دہانے پر پڑے سفیدی آمیز نیلگوں بند ڈھکن اور اس ڈھکن کے اوپر حد نگاہ تک پھیلے خلائوں کو دیکھتا اور ان خلائوں کے اندر بنتی بگڑتی ہیئتوں اور ہلتے ڈولتے ہیولوں کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے وہاں سے نظریں ہٹالیں۔''

یہ اقتباسات تو غضنفر کی سیاسی بصیرت کے محض چند نمونے ہیں۔ ایسے درجنوں مقامات پر اشارے موجود ہیں جو ان کی سیاسی بصیرت کی غمازی کرتے ہیں۔

اسلوب کی رنگارنگی:

غضنفر ایک صاحبِ اسلوب ادیب ہیں۔ انھوں نے عام ڈگر سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔ کوئی بھی بڑا تخلیق کار کبھی طرز کہن پر چلنا پسند نہیں کرتا۔ اپنی شخصیت اور میلان کے مطابق ورثے میں ملنے والی زبان کو اپنی تخلیقی ضرورت اور منشا کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ نئے سانچے بناتا ہے اور پرانے سانچوں کو اپنے حساب سے نیا شیپ دیتا ہے۔ غضنفر ایسا کرنے میں ماہر نظر آتے ہیں، اسی لیے ان کا اسلوب دور سے پہچان لیا جاتا ہے۔ غضنفر اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کسی بھی ناول کی کامیابی کے پیچھے جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں ان میں اسلوب کا اہم کردار ہوتا ہے، اگر اسلوب جاندار، چست درست اور نئے پن کا حامل ہو تو قاری کی دلچسپی دوچند ہو جاتی ہے۔ غضنفر کا اسلوب نہایت دلچسپ ہے۔ وہ خوبصورت اور برمحل محاورات، تشبیہات اور نادر استعارات کے استعمال سے اپنی تحریر کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ اسلوب کے تعلق سے صفدر امام قادری سے ایک انٹرویو میں غضنفر خود فرماتے ہیں:

''اسلوب کے لیے ایک سچائی تو یہ ہے کہ موضوع کا جیسا تقاضا ہوتا ہے ویسی ہی زبان تیار کی جائے۔ کہتے ہیں ہر موضوع اپنی ایک الگ زبان لے کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ میں خاص طور سے زبان کے تعلق سے اپنے دوسرے دوستوں کے مقابلے زیادہ متحد رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے ایک ناول سے دوسرے ناول تک پہنچتے پہنچتے میرا قاری ایک نئی اسلوبیاتی زمین پر آکھڑا ہوتا ہے۔

میں نے اپنے پہلے ناول پانی میں ازل سے ابد تک کی انسانی... کی کہانی لکھی ہے، موضوع کے اعتبار سے میں نے داستانی اور تمثیلی رنگ کو آزمایا ہے لیکن جیسے ہی موجودہ زمانے کا حوالہ آتا ہے ایک نئی زبان آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ حضرت خضر اور شیو ساگر کے واقعات لکھتے ہوئے میں نے مختلف اسلوبیاتی جزیرے خلق کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''کہانی انکل'' میں چونکہ بچوں کو کردار بنایا گیا ہے اس لیے ان کی مناسبت سے ایک نئی زبان ڈھونڈی گئی ہے۔ ''دویہ بانی'' میں ویدک عہد سے موضوع کا رشتہ ہے اس لیے اس میں سنسکرت کے اثرات والی ہندی دکھائی دے گی۔ ہر تخلیق میں میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسلوب کے ساتھ ساتھ پڑھنے والوں کا بھی ایک نیا طبقہ پیدا ہو، ان دونوں باتوں کا مرکز میں رکھ کر میں اپنی تخلیقات رقم کرتا ہوں۔ 11))

غضنفر کا اسلوب جداگانہ ہے ان کے طرزِ تحریر میں واقعاتی تنظیم کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی باریکیوں، تراکیب کی نئی نئی صورتوں اور لسانی ندرتوں کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے، غضنفر کے اسلوب کا یہ ایسا پرکشش انداز ہے کہ مشہور ماہرِ لسانیات مسعود حسین خاں تک کو یہ کہنا پڑا:

"میں سب سے زیادہ آپ کی انشاء سے متاثر ہوا، جس پر آپ کو بے حد قدرت ہے، نئی نسل بالعموم زبان پر اتنی قدرت نہیں رکھتی۔ اس نئے انداز پر میں آپ کی ترقی دیکھتا رہوں گا، اس لیے کہ اس نے مجھے چونکا دیا ہے۔"

ان کے اسلوب کی ایک انفرادیت صنعتِ تجنیس کی مختلف صورتوں کا استعمال بھی ہے۔ تجنیسی صورتوں کا خوبصورت اور بر محل استعمال ان کے اسلوب کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ ناولوں میں جابجا بکھری ہوئی صوتی ترنگیں کسی نغمے کی طرح پھوٹتی یا کسی جھرنے کی مانند بہتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ تڑتڑ، لخ لخ، جھر جھر، کھٹ کھٹ، بھر بھر، چھل چھل جیسے لفظوں کی صدائیں سنتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کسی مغنیہ نے ساز چھیڑ دیا ہو مثال دیکھیے:

"صاحبانِ ذی وقار! فہم و فراست کے پرستار! عقل کو حیرت میں ڈالنا۔ منطق کو بے جان کرنا۔۔ اور ہوش مندی کا ہوش اڑانا۔۔ سفید کو سیاہ کرنا، رائی کو پہاڑ بنانا۔۔ پانی میں آگ لگانا اور آگ میں پھول کھلانا میرا دلچسپ مشغلہ ہے۔"(12)

غضنفر کی تحریر میں تازگی، توانائی اور اچھوتا پن تو ہے ہی، روانی بھی بہت ہے۔ وہ بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں، ان کا اسلوب پہاڑی جھرنے کی مانند مختلف طرح کے سُر بکھیرتے ہوئے نہایت سبک روی سے بہتا چلا جاتا ہے۔ اپنے اسلوب کو مزید دلکش بنانے کے لیے انھوں نے داستانوی انداز کا بھی سہارا لیا ہے۔ داستانیں جو اب متروک ہو چکی ہیں انھیں پھر سے زندہ کرنے کی کوشش ان کی روایت سے محبت کا بھی ثبوت ہے۔ اسلوب کی دلکشی اور خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے لیے غضنفر منفرد اور نادر تشبیہات و استعارات سے کام لیتے ہیں۔ نئی نئی ترکیبیں بھی گڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں انسانی جذبات کو کس خوبصورتی سے مجسم کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے:

"یکبارگی خشک ہونٹوں کے قہقہوں پر فالج گر پڑا۔ پھڑ پھڑاتی ہوئی پیڑیاں منجمد ہوگئیں جسموں میں زلزلہ سا گیا۔ چہروں کا رنگ فق پڑ گیا۔"

ان کے اسلوب کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ وہ ایسے الفاظ لاتے ہیں جس سے منظر یا پیکر متحرک ہو جاتا ہے، خصوصاً فعل کی مختلف صورتوں کے استعمال سے یہ خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً پانی کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

گھنگرو چھنچھنانے لگے، بدن لہریں لینے لگا، جذبۂ رقص جسم کو جوش دینے لگا، اعضا پھڑکنے لگے، انگ تھرکنے لگا، دوپٹہ شانوں سے سرک گیا، سینے سے ڈھلک گیا، ہاتھ لہرانے لگے، پاؤں بل کھانے لگے، کمر لچکنے لگی، پشواز کھسکنے لگی، کولھے مٹکنے لگے، ٹھمکے برسنے لگے، دل دھڑکنے لگا، سینہ پھڑکنے لگا......

دیگر زبانوں کا استعمال:

غضنفر بنے بنائے راستوں پر چلنا پسند نہیں کرتے۔ ہر لحظہ نئی آن، نئی برق تجلی کی صورت، نئے نئے لسانی اظہاریے تراشتے رہتے ہیں۔

غضنفر کے ناولوں میں زبان کرداروں اور موقع محل کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہے۔ ہندی مکالمے، ہندی الفاظ اور ہندی تراکیب یوں ہی استعمال نہیں ہوتے بلکہ مختلف صورتِ حال کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ایسا کریں۔ اس سے اظہار میں حقیقت کا رنگ تو پیدا ہوتا ہی ہے، دوسری زبانوں کی آمیزش سے ان کے اسلوب میں ایک طرح کا نیاپن بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ ان لفظوں کے استعمال سے مخصوص قسم کے کرداروں کی طرزِ زندگی بھی سامنے آجاتی ہے، ان تحریروں میں تہذیبی الفاظ بھی کثرت سے ملتے ہیں، تہذیبی الفاظ یعنی جو کسی مخصوص تہذیب و طبقے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایسے بہت سے نمونے ان کے ناولوں میں ملتے ہیں جو ہندی زبان سے لیے گئے ہیں۔ یہ ہندی الفاظ محض ہندی دانی کے شوق میں ان کی تحریروں میں جگہ نہیں پاتے بلکہ

کسی کردار کی نفسیاتی حالات، ذہنی رویے اور داخلی و خارجی زندگی کی عکاسی کرنے کے لیے قلم بے ساختہ لاشعوری طور پر ان کے قلم سے نکل آتے ہیں۔

غضنفر کے ناولوں میں ہندی زبان کے الفاظ و مرکبات جس روانی اور تواتر سے آتے ہیں وہ قاری کو کسی نہ کسی حوالے سے اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ ان کی شاید ہی کوئی ایسی تحریر ہو جس میں ہندی لفظیات شامل نہ ہو۔ ہر ناول، ہر افسانہ، ہر مضمون بلکہ تمام ہی اصناف میں ہندی الفاظ اپنی جھلک دکھا جاتے ہیں۔

ہندی کے سب سے زیادہ الفاظ ان کی ناول دویہ بانی، وش منتھن اور مانجھی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں ناولوں میں ہندو معاشرت کو موضوع بنایا گیا ہے اور کردار بھی اسی معاشرے سے لائے گئے ہیں۔ لیکن غضنفر نے ہندی لفظوں کو اردو زبان سے اس طرح ہم آہنگ کر کے پیش کیا ہے یا ان کا ایسا تخلیقی استعمال کیا ہے کہ دوسری زبان کے الفاظ ذہن پر گراں نہیں گزرتے بلکہ تاثر میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ یہاں ہندی لفظوں کے کچھ نمونے پیش کیے جا رہے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ غضنفر کو ہندی زبان پر کس حد تک عبور حاصل ہے۔

متھ، واتاورن، رسھید، سسپنس، تھرل، آستھائوں، برم ہرا، اسپیشل، پنید، پاکھنڈ، بھوجن، یاتری، شردھالو، ...، بھجن، ارتھ، منگلم، پرنتو، نائو، یوگیہ، آکرشک، ساودھانی، پنچھی، سمّان، گرہستی، منتر بھوسولیہ، ادھیک، سنکوچ، سویکار، پرنتو، مہوتورن، شکتی، چنتا، نمسکار، پوجا پاٹھ اور پرنتو، پاپ، پونیہ، پنیہ پاپ، انتر آتما، بم بم بھولے، من بھاون، پرنتو ورنتو، راج منتر، شرشیو، لنگ راج، آچار وچار، ٹیپ ریکارڈ، سروشکتی مان، دیش کی ورتمان شکشا استیتھی، مہتو پورن، چنتن منن، گنگا اشنان، پتی ورتا پتی، راج پاٹ اور جیون لیلا وغیرہ

اس فہرست سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہندی الفاظ کے استعمال پر غضنفر کو کیسا Command حاصل ہے۔ غضنفر کا کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے ان الفاظ کو اردو متن میں شامل کر کے انھیں اردو زبان کا اٹوٹ حصہ بنا دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی ہندی اردو آمیز تحریر سے قومی یکجہتی کا پیغام دینا چاہتے ہیں اور یہ احساس بھی دلانا چاہتے ہیں کہ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا جب یہ آپس میں شیر شکر ہو سکتے ہیں تو ہم انسان کیوں نہیں!

غضنفر کے ناولوں میں ہندی زبان کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم تہذیب کی رنگا رنگی، ہندوستان کی کلاسیکی معاشرت کے مناظر، یہاں کے تہذیبی عروج و زوال، جدید سماج کا بیانیہ، تصوف کے گہرے فکری مسائل بھی نظر آتے ہیں۔ اور ہندی اساطیر بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔ انھیں ہندوستانی اساطیر سے اس حد تک لگاؤ ہے کہ وہ اس طرز پر خود بھی اساطیر گڑھ لیتے ہیں۔

غضنفر صرف دوسری زبانوں کے الفاظ سے ہی اپنی تحریر کی دلکشی میں اضافہ نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی زبان میں بھی انوکھے الفاظ گڑھتے ہیں۔ جیسے آبیاژہ ایک نیا لفظ ہے جو بذاتِ خود ایک مکمل اظہاریہ ہے۔ یہ لفظ غضنفر کے ناول پانی میں بہلاؤں کا استعارہ بن گیا ہے جو انسان کو بنیادی ضرورتوں سے محروم رکھنے کے لیے کھلونوں کی صورت میں تھما دیے جاتے ہیں۔

پانی، جل، آبِ حیات، آب، آبِ زم زم وغیرہ الفاظ پانی کے ساتھ مشروط ہیں مگر آبیاژہ پیاس کی ایک نئی کیفیت کا بلیغ اشارہ بن جاتا ہے۔ پیاس اور آبیاژے میں معنیاتی ربط و اشتراک کو پیدا کرنا مصنف کا کمال اور تخلیقی ہنر مندی بے مثال ہے۔ ناول نگار نے کمال مہارت سے اس معنیاتی اتصال کو تخلیقی بنت میں سمو کر معنی کے نئے زاویے سامنے لائے ہیں۔ یہ لسانی انحراف جہاں لفظی ندرت کو ظاہر کرتا ہے وہاں اداسی اور حزنیہ کیفیت کو بھی سامنے لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ غضنفر اپنی اس دریافت کا اظہار ناول ''پانی'' میں یوں کرتے ہیں۔

لو چوسو۔ یہ آبیاژہ ہے، اس سے تمھاری پیاس بجھ جائے گی۔ اس نے اپنے ہاتھ کی سفید چوکور ٹکیا بے نظیر کی طرف بڑھا دی۔

''کیا سچ مچ اس سے پیاس بجھ جائے گی؟'' بے نظیر نے ٹکیا اپنے ہاتھ میں لے کر نگاہوں کو اس پر مرکوز کر دیں۔

چوس کر دیکھو! تمھیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔

اچھا! اس نے ٹکیے کو منہ سے لگالیا۔

کیسا ہے؟

ٹھنڈا ہے۔

اور ذائقہ؟

"میٹھا ہے"

اچھا لگ رہا ہے؟

"ہاں لگ رہا ہے"

"یہ ہماری دریافت ہے۔"(13)

آبیاژہ لفظ یہاں پیاس بجھا رہا ہے۔ آبیاژہ کے علاوہ ایسے بھی انوکھے اور نئے اور الفاظ غضنفر کے ناولوں میں ملتے ہیں۔ غضنفر کچھ ایسے جملے بھی گڑھتے ہیں جن میں الفاظ نئے، رنگ و آہنگ دکھاتے اور سناتے ہیں۔ مثلاً ان جملوں اور فقروں کو ملاحظہ کریں:

ہجوم کی آنکھوں میں خنجروں کے سامنے لہرانا، ٹھٹھکے ہوئے پاؤں لہرانا، سوالوں کی سوئیاں چبھونا، سبز رنگ سنگ کا جھلسی ہوئی آنکھوں میں سرما بھرنا جیسے الفاظ نے معنی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ الفاظ کی ترتیب و تنظیم اور تسلسل نے معانی کے بدلتے تقاضوں کو لسانی انحراف کے تابع کر دیا ہے۔ زبان کی تخلیقی ہیئت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان فور گراؤنڈنگ کی شمولیت محض الفاظ کا بدلنا نہیں ہے بلکہ مختلف کیفیات کے نفسیاتی، جمالیاتی اور تاثراتی قدروں میں اضافہ بھی کرنا ہے، جب غضنفر ایسے جملے گڑھتے ہیں تو زبان ہونٹوں پر جمے آبیاژہ کے قطروں کو چاٹنے لگتی ہے۔ قاری کا تجسس بڑھ جاتا ہے اور وہ یہ جاننے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے کہ ایسا کون سا جذبہ ہے جس کے لیے یہ اظہار یہ وضع کیا گیا ہے۔

غضنفر کے اسلوب کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ زبان کا جس تخلیقی سطح پر استعمال کرتے ہیں وہ قاری کے لیے دلچسپ، انوکھا اور ایک چیلنج بن جاتا ہے۔ غضنفر کا یہ طرز تحریر، زبانوں کا امتزاج، معنیاتی و صوتیاتی اور لفظی سطح پر اتنا متحرک ہے کہ اس کا توضیحی مطالعہ کرنے والا قاری دوران تجزیہ جگہ جگہ پر چونک پڑتا ہے کیونکہ یہاں فصاحت، بلاغت، علامت، واستعارات کے عناصر قاری کی پوری پوری توجہ چاہتے ہیں۔

ان کے ناول تحرک، عمل، رومانس، سماجی شعور، تعمیری رجحان، آئیڈیالوجی اور Readability (پڑھنے کی اہلیت) کے لحاظ سے کافی کامیاب ہیں۔ غضنفر نے اپنے قلم کی چابکدستی اور الفاظ کی روانی سے ناول کی ان سنگلاخ زمینوں کو پانی کر دیا ہے جو بندھی ٹکی روایتوں کے زیر اثر تھیں۔ یہی خوبیاں ان کی مخصوص انفرادیت کی تشکیل کرتی ہیں۔

مداوائے درد کی تلاش:

عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ادب کا کام مسائل کا حل پیش کرنا نہیں ہوتا مگر غضنفر اس سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کئی جگہوں پر لکھا بھی ہے کہ وہ جبر کو زیر کرنے کی کہانی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کے اس بیان سے یہ سمجھا ہے کہ وہ صرف مسائل کو پیش کر دینا ہی کافی نہیں

سمجھتے بلکہ ان کے حل کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ان کی تخلیقات سے اندازہ بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک مفکر کی طرح دنیا کے دکھ درد کے متعلق سوچا اور ایک مدبر کی مانند اس کا مداوا بھی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے ناول پانی میں بے نظیر کو ایماندارانہ کوشش اور مسلسل جدوجہد کے باوجود پانی نہیں ملتا ہے تو وہ اس کے اسباب پر اپنے دوسرے ناول 'مم' میں غور کرتے ہیں اور مم میں ان اسباب کو دور کر کے پانی حاصل کرنے کی تدبیریں تلاش کرتے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب انسان دوسروں کی رہنمائی میں سفر کرتا ہے تو اسے منزل نہیں ملتی مگر جب وہ اپنی ذات کی شناخت کر لیتا ہے اور خود کو پہچان کر اپنے وژن کی روشنی میں سفر کرتا ہے تو اسے منزل ملتی ہے۔ان کا یہ اپروچ ان کی بیشتر تخلیقات میں نظر آتا ہے۔ مثلاً کہانی انکل میں وہ مختلف ترکیبوں سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ نئی نسل کو کس طرح بیدار کیا جاسکتا ہے اور انھیں ظلم کے خلاف صف آرا کیا جاسکتا ہے۔

غضنفر تخلیق کے جادو کو سمجھتے ہیں۔وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ادب میں وہ طاقت ہوتی ہے کہ اس سے بڑے سے بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ اور اسی لیے وہ درد کا مداوا ادب و فن میں تلاش کرتے ہیں۔وہ صرف ایک اچھے فنکار ہی نہیں بلکہ ایک اچھے اور دردمند انسان بھی ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ دنیا سے درد مٹے، چیخ رُکے، آنسو تھمے، آہ اور کراہ بند ہو اور لوگ سکھ چین سے جی سکیں۔

بہر حال غضنفر کے ناولوں کی اپنی انفرادیت اور اہمیت ہے۔میں جب بھی پانی کا لفظ سنتی یا پڑھتی ہوں تو غضنفر کا ناول پانی نگاہوں کے سامنے لہریں لینے لگتا ہے۔ آب کی سطح پر مگر مچھ ابھر آتے ہیں، ان کی سرخ آلود زبانیں لپلپانے لگتی ہیں، آنکھوں سے ایک ایسی مخلوق جھانکنے لگتی ہے جو اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لیے پانی کے سوتوں پر پہرہ بٹھا دیتی ہے۔ پھر کھٹاک سے غضنفر کا ''شوراب'' ابھر آتا ہے۔وہ شوراب جس کے آب میں شورہ ملا ہوا ہے اور جو اپنے زور سے ذہن و جسم کو گھلا کر رکھ دیتا ہے۔ساتھ ہی 'مم' بھی جھلملا اٹھتا ہے جس میں بے نظیر کی مراقبہ میں کشف کے عمل سے حاصل کی گئی تدبیریں، مگر مچھوں کے پیروں کے نیچے سے پانی کھینچ لیتی ہیں۔ جلد ہی دریاؤں میں ناؤ کھیتا ہوا وہ مانجھی بھی پانی کی لہروں پر تیرتا ہوا آدھمکتا ہے اور گنگا جمنا اور سرسوتی کے پانیوں کا رنگ اپنا روپ دکھانے لگتا ہے۔ یہ ہیں غضنفر جو

دریاؤں کو دیوتا بناتے ہیں اور دیوتاؤں کو انسان میں بدل دیتے ہیں۔

حوالہ جاتی کتب:

1۔ثالث سہ ماہی رسالہ مونگیر اکتوبر تا دسمبر 2021ص 47,48

2۔پانی، غضنفر فکشن اکادمی بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 1989ص 27

3۔پانی، غضنفر فکشن اکادمی بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 1989ص 76

4۔مانجھی، غضنفر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی 2012ص 117

5۔پانی، غضنفر فکشن اکادمی بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 1989ص 17

6۔کہانی انکل، غضنفر بشری پبلی کیشنز لکھنو 1994ص 97

7۔کہانی انکل، غضنفر بشری پبلی کیشنز لکھنو 1994ص 197

8۔مم، غضنفر، ایجوکیشنل پبلی کیشنز نئی دہلی 2007ص 65

9۔مانجھی، غضنفر ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی 2012ص 98

10۔شوراب، غضنفر، کتابی دنیا دہلی 2009ص 3

11۔غضنفر اردو فکشن کی ایک معتبر آواز، ڈاکٹر محمد انوار الدین، عصری سنگ میل پبلی کیشنز 2006ص 40۔

12۔پانی، غضنفر فکشن اکادمی بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 1989ص 59

13۔پانی، غضنفر فکشن اکادمی بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی 1989ص 39